

والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز سیمین مرحوم و مغفور :

## ایک عالم اور ایک انسان

پروفیسر محمد محمود سیمین

ہمارے آباء و اجداد پٹردھڑی (کٹھیاواڑ) کے رہنے والے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جو راجکوٹ سے بذریعہ ریل جاسنکر جاتے ہوئے شاید دوسرا اسٹیشن ہے۔ جزیرہ نما کٹھیاواڑ میں چھوٹی بڑی بہت سی ریاستیں تھیں۔ جب یہ علاقہ انگریزوں نے اپنے قبضہ میں لیا تو اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے راجکوٹ جو ایک مرکزی مقام ہے وہاں اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اس زمانہ میں میرے پر دادا حضور پٹردھڑی چھوڑ کر راجکوٹ صدر بازار میں آئے۔ حکومت وقت نے انہیں رہائشی کے لئے زمین فراہم کی جہاں انہوں نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے چند چھوٹے سوٹے سکانات تعمیر کرائے۔ میرے پر دادا حضور فوج اور شہریوں کو غلہ فراہم کرتے تھے۔ قبلہ ابا حضور علامہ عبدالعزیز سیمین بن حاجی عبدالکریم بن یعقوب بن عبداللہ ابانی ۱۸۸۸ء میں اپنے ننھال میں بمقام گونڈل پیدا ہوئے اس وقت دادا حضور کی عمر ۲۳ سال تھی۔ دادی محترمہ کا نام مریم بائی تھا ان کو میں نے اپنی جوانی تک دیکھا ہے بقول ابا حضور وہ بہت مسکین طبیعت ستوازن سزاج، نیک دل اور خدا پرست خاتون تھیں۔ دادا حضور کا پیشہ چھوٹی سوٹی زمینداری تھا وہ بہت جفا کش خدا پرست اور بااصول انسان تھے۔ بقول ابا حضور دینی تعلیم نے ان کے ساتھ اکسیر کا کام کیا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تندرست معلوم ہوتے تھے۔ نماز ہمیشہ باجماعت پڑھتے تھے اور تہجد گزار تھے۔ مرنے سے پچاس سال

قبل کے عرصہ میں کبھی بھی ان کی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ جون ۱۹۵۹ء میں ۹۳ سال کی عمر پا کر راجکوٹ میں انہوں نے وفات پائی۔ دادا حضور کی اولاد پانچ افراد پر مشتمل ہے جن کے نام بتدریج یہ ہیں: علامہ عبدالعزیز مہمن، عبدالرحمن، احمد، عبدالرحیم اور زینب عرفانی۔ جن میں سے تین افراد احمد، عبدالرحیم اور سیری پھوی زینب عرفانی بقید حیات ہیں۔ ابا حضور کی شادی ۱۹۱۵ء میں اپنی پھوی کی لڑکی زینب بائی سے ہوئی جو احمد نور محمد کی دختر تھیں والدہ محترمہ سکسر المزاج، نیک طبیعت اور دیندار خاتون تھیں۔

دادا حضور کی عمر جب ۱۹ سال کی تھی اور غالباً یہ ۱۸۸۳ء کا سال تھا اس وقت انہیں ایک عالم مولوی عبدالخالق سے بے حد عقیدت ہو گئی اور اکثر ان کی دینی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے۔ وہ مولوی عبدالخالق کی دینی تعلیمات سے اتنے متاثر ہوئے کہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گئے اور ان سے یہ عہد کیا کہ شادی کے بعد جو پہلی اولاد نرینہ ہوگی اسے وہ عربی زبان اور دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیں گے۔ مولوی عبدالخالق اصل میں کشمیری تھے مگر شاید لکھنؤ بس پیدا ہوئے اور وہیں بڑے ہوئے۔ مولوی عبدالخالق مولوی سلیمان جونا گڑھی کے شاگرد تھے اور مولوی سلیمان خود ایک جلیل القدر، دیندار اور خدا پرست بزرگ، سولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ سولانا نذیر حسین محدث دہلوی کا انتقال غالباً ۱۹۰۳ء میں ہوا ابا حضور فرماتے تھے کہ وہ ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے تھے۔

ابا حضور نے اپنی ابتدائی تعلیم دینی اور گجراتی راجکوٹ میں حاصل کی جب دس گیارہ سال کی عمر ہوئی تو دادا حضور نے انہیں اپنے بھائی یوسف کے پاس مزید تعلیم کے لئے جونا گڑھ بھیج دیا۔ وہاں تین چار ماہ تک سہایت

مدرسہ میں اردو اور فارسی پڑھی۔ جب بارہ تیرہ سال کی عمر ہوئی یہ غالباً ۱۹۰۱ء کے اکتوبر کا مہینہ تھا کہ دادا حضور نے انہیں ایک نو مسلم طہ عبد الخالق کے ہمراہ مزینہ تعلیم کے سلسلہ میں دہلی بھیج دیا اور انہیں کہا کہ انہیں حافظ عبد الرزاق کے سپرد کر دیں جو اس وقت دہلی کی سبزی بندی میں سکونت پذیر تھے۔ حافظ عبد الرزاق اکثر راجکوٹ آیا کرتے تھے اور دادا حضور انہیں بخوبی واقف تھے۔ ابا حضور نے حدیث صدر بازار دہلی میں مولوی عبد الوہاب کے مدرسہ میں پڑھی۔ وہاں کا طریقہ تعلیم انہیں کچھ زیادہ پسند نہ آیا چنانچہ انہوں نے دوسرے اساتذہ سے رجوع کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جس استاد کی تعلیم سے انہوں نے عملاً زیادہ فائدہ اٹھایا انکا اسم گرامی مولوی عبدالرحمن پنجابی تھا جو غالباً سلطان کے قرب و جوار کے رہنے والے تھے اور دہلی میں حاجی علی جان کی مسجد میں جو گھنٹہ گھر کے قریب تھی درس دیا کرتے تھے۔ ابا حضور فرماتے تھے کہ انہوں نے جس محبت اور شفقت سے انہیں تعلیم دی اسکا احسان وہ زندگی بھر بھولینگے۔ انکے حالات کے ذیل میں امام خان نوشہروی نے جو ”تاریخ علمائے حدیث ہند“ میں حالات لکھے ہیں اسکا ایک فقرہ یہاں تحریر کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”مولوی عبدالرحمن کے پرے انتہا شاگرد ہیں مگر سب سے بڑا شرف اور سب سے بڑی منقبت انکی یہ ہے کہ غلامہ عبدالعزیز مین انکے خاص شاگرد ہیں۔ اسپر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے، ابا حضور بڑے بڑے علماء سے فیضیاب ہوئے مگر بہت ہی قلیل نسبت تک زیادہ تر انہوں نے مولوی عبدالرحمن ہی سے استفادہ کیا۔“

ابا حضور کو مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی شاگردی کا بھی شرف حاصل ہے اور انہیں نے عربی ادب پڑھا ڈپٹی نذیر احمد ایک بہت ہی بلند پایہ اور ممتاز عالم تھے اور انکی فارسی اور اردو کی دنیا معترف ہے۔ بقول ابا حضور

حدیث کے علماء میں جید ترین عالم مولانا بشیر سمہسوانی تھے انہوں نے ابو داؤد شریف پڑھی۔ بخاری اور مسلم سولوی عبدالرحمن سے اور ترمذی جہاں تک انہیں یاد تھا جلیل القدر عالم سولوی عبدالجبار عمر پوری سے پڑھی۔ ۱۹۰۸ء کے اواخر میں انہوں نے دہلی کو خیرآباد کہا اور اسروہہ تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً ایک سال قیام کیا اور فقہ کیلئے خصوصی تعلیم حاصل کی پھر سوچا کہ اسروہہ انکے عزم اور حوصلہ کے لئے نامناسب ہے اسلئے ۱۹۱۰ء میں راسپور چلے گئے اور راسپور ہی کے قیام کے دوران ۱۹۱۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پوری یونیورسٹی میں اول آئے۔ ۱۹۱۲ء میں فلسفہ اور کچھ انگریزی پڑھنی شروع کی اور ۱۹۱۳ء کے جون کے مہینہ میں لاہور آکر سولوی فاضل کا امتحان دیا اور پوری یونیورسٹی میں اول آئے اور ”رکارڈز“ رکھا جو بقول انکے تقریباً چالیس سال تک قائم رہا یہاں سے وہ پھر راسپور لوٹ گئے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے وکیل اخبار کے دفتر میں ملازمت کے لئے درخواست دی جہاں سے تہذیب الاخلاق نامی رسالہ نکلتا تھا۔ ملازمت تو ملی مگر بہت قلیل عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ راسپور سے وہ اسرتسر تشریف لے گئے۔

ملازمت کے سلسلہ میں ابا حضور مسٹر وولنر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور سے ملے۔ ایڈورڈز کالج پشاور میں اسوقت عربی اور فارسی کے لیکچرار کی جگہ خالی تھی۔ مسٹر وولنر نے ابا حضور کے متعلق ایڈورڈز کالج پشاور کے پرنسپل کو تار کے ذریعہ آگاہ کیا اور ابا حضور کو ہدایت کی کہ جلد پشاور پہنچ جائیں۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء کے آخر سے پشاور میں ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۲۰ء تک وہاں ملازمت کی۔ یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو ان کا یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں بطور عربی لیکچرار تقرر ہوا اور ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء تک لاہور میں قیام رہا۔ ۱۳ نومبر

۱۹۲۵ء سے انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بطور ریڈر سلازمت شروع کی اور ایک عرب استاد کی جگہ پر انکا تقرر ہوا اسلئے کہ وہ ایک ہندوستانی ہوتے ہوئے بھی عربی میں عربوں سے زیادہ ممتاز تھے اور انکی زبان انسے بہتر بولتے تھے۔ سولف اور مصنف تھے اور علمی تحقیق بھی کرتے تھے اس تقرری کے سلسلہ میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے یونیورسٹی کو انکے متعلق ایک خط بھی لکھا تھا جو وہاں اب تک محفوظ ہے انکا عملی انتخاب نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی نے کیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں کیا کروں سین صاحب کی قابلیت کو کوئی عرب عالم نہیں پہنچتا۔ بعد میں ترقی پا کر انہیں پہلے ہندوستانی پروفیسر اور صدر شعبہ عربی ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہوا ۳۱ مارچ ۱۹۵۰ء میں علی گڑھ سے ریٹائر ہوئے اسوقت انکی عمر اکٹھ سال تھی۔ چوبیس سال علی گڑھ میں سلازمت کی اور اسی عرصہ میں زیادہ تر علمی کام کیا اور اپنا ایک مقام پیدا کیا۔ یونیورسٹی نے انہیں ایک سال کی توسیع بھی دی۔ ہم دو بھائی اسوقت پاکستان میں تھے اسلئے ابا حضور اور والدہ محترمہ سب سے چھوٹے بھائی محمد عمر اور سب سے چھوٹی بہن صفیہ کو ساتھ لیکر ہم سے ملنے کے لئے پاکستان پہنچے۔ یہاں پر ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم اور پاکستان میں سفیر مصر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے مرحوم سے انکی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں حضرات چاہتے تھے کہ ابا حضور کو یہیں روک لیں اور ہندوستان واپس جانے نہ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ابا حضور کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور کچھ ہی دنوں بعد انہیں مطلع کیا کہ انہیں ۳ اکتوبر ۱۹۵۳ء سے سینٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا پہلا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا ہے اور انہی کو اسے قائم کرنا ہوگا۔ ابا حضور چونکہ اس وقت ہندوستانی شہری تھے اسلئے وہ اکتوبر ۱۹۵۳ء

ہی میں ہندوستان واپس لوٹ گئے اور وہاں انسٹی ٹیوٹ کے لئے نایاب عربی کتابیں اور اہم مواد جمع کرتے رہے۔ اسی دوران کراچی یونیورسٹی نے انہیں بہت مجبور کیا کہ وہ عربی کی پروفیسر شپ اور صدر شعبہ کا عہدہ قبول لیں چنانچہ انہوں نے ۱۹۵۵ء میں پاکستان آکر شعبہ عربی کی بنیاد ڈالی اور اسکے پہلے صدر بھی بنے اور اسکے ساتھ ساتھ وہ سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ ان اداروں کے ساتھ وہ تقریباً سوا تین سال سنسک رہے اور اسکے بعد سلازمت کرنیکا ازادہ ترک کر دیا اور تقریباً پانچ سال خانوش زندگی گزارے۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر حمید الدین خان سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے بہت اصرار کر کے انہیں لاہور بلایا اور پنجاب یونیورسٹی اور نیل کالج میں شعبہ عربی کا صدر مقرر کیا۔ شاید ہی اس سے قبل کسی کو اتنی عزت سے بلا کر سلازمت دی گئی ہو۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۶۳ء سے لیکر جون ۱۹۶۶ء تک لاہور میں انکا قیام رہا اور اسکے بعد ہر قسم کی سلازمت سے حتمی طور پر سبکدوش ہو گئے۔ ریٹائر ہوئی کے بعد مصر، سعودی عرب اور ایران کی یونیورسٹیوں نے انکی خدمات حاصل کرنیکی کوشش کی لیکن ضعیف العمری کے سبب ان سے معذرت کر لی۔

ابا حضور حیرت انگیز اور قابل رشک یادداشت کے مالک تھے۔ لاکھوں اشعار انہیں زبانی یاد تھے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے دوستوں کی محفل میں اشعار پڑھتے پڑھتے تقریباً ساری رات گزاری اکثر حضرات انکے پاس تحقیق کے سلسلہ میں حاضر ہوتے تھے تو وہ انکو کتابوں نادر قلمی نسخوں اور دستاویزات کے مصنفین اور مؤلفین کے نام معہ ایڈیشن اور دنیا کی کن کن لائبریریوں میں وہ دستیاب ہیں بتلایا کرتے تھے۔ نادر قلمی مسودوں کے

حوالہ جات پر انہیں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ انکے سداح انہیں عربی کی چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا کہتے تھے ابا حضور نے ۱۹۳۵ء میں اسلامی ممالک کا دورہ کیا تھا۔ مصر۔ فلسطین۔ شام۔ عراق۔ اور ترکی تشریف لیگئے اور وہاں کے علما سے ملاقاتیں کی اور لائبریریاں چھانیں نادر قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ان سے خوب خوب استفادہ کیا۔ وہ دمشق (شام) اور قاہرہ (مصر) کی عربک ایکڈمی کے پرانے اور نمایاں ممبر تھے۔ عربی ادب میں ابا حضور کا کیا مقام ہے اسکا مزید اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے مرحوم جو پاکستان میں سب سے پہلے سفیر مصر رہ چکے ہیں اور بہت بڑے عالم دین بھی تھے ابا حضور کو ”استاذ المینى“ کہہ کر خطاب کرتے تھے اور انکو دیکھنے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مصر کے قومی دن کی تقریب میں علمی گفتگو ہونے لگی اور ابا حضور نے کسی بات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا جس پر ڈاکٹر حسن حبشی اور چند دیگر علما جو اس وقت وہاں موجود تھے بے ساختہ پکار اٹھے کہ ”آپکا کا کوئی ثانی نہیں اور آپکے سامنے ہم سب طفل سکتب ہیں“۔ وہ عربی زبان کے ایسے عالم تھے جنہیں اہل زبان خود سند مانتے تھے۔

صدر ایوب خان کے دور حکومت میں ۵ سٹی ۱۹۶۶ء کو انہیں انکی علمی خدمات کے اعتراف میں پرائڈ آف فرانسس (حسن کارکردگی) کا تمغہ دیا گیا۔ جہاں تک انکے دوست و احباب کا تعلق ہے اسکی فہرست تو بہت لمبی ہے مگر جن حضرات کے اسمائے گرامی مجھے یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں: مسٹر ٹرینین۔ ڈاکٹر کرنیکو۔ ڈاکٹر اوٹو اسپیس۔ مولوی ابوبکر شیث۔ نواب حبیب الرحمن خان شروانی۔ پروفیسر زبیر احمد صدیقی۔ شمس العلماء مولوی عبدالرحمن۔ ڈاکٹر

معظم حسین - ڈاکٹر زاہد علی - آصف فیضی - ڈاکٹر ممتاز حسن - ڈاکٹر عبدالوہاب  
 عزام ہے - ڈاکٹر شمس العلماء محمد عمر داؤد پوتہ - جونا گڑھ کے قاضی احمد میان  
 اختر - مولوی محمد - پرنسپل ظہور الدین - راجکوٹ کے انکے بچپن کے دوست  
 عبدالرحیم عرفانی - عمر ولی سیٹھ اور عبدالرحمن آدسانی -

ابا حضور سنکسر المزاج - سادگی پسند اور صوفی منش انسان تھے - انکی  
 گوشہ نشینی زمانہ کی عمومی آلودگیوں سے انکی لا تعلقی اور خاصوشی قابل تقلید  
 مثال کی حیثیت رکھتی ہے - تدریسی محکمہ سے تعلق رکھتے ہوئے اور بہت ہی  
 سادہ زندگی گزار کر انہوں نے اچھی خاصی رقم پس انداز کی جو وفات سے قبل  
 جس زبان کے طفیل انہوں نے رزق حلال کمایا تھا اسکی ترویج اور تعلیم کے  
 سلسلہ میں مختلف اداروں کو عطیات کے طور پر دیدی - سیرے علم میں یہ رقم  
 تقریباً پانچ لاکھ روپے بنتی ہے جن اداروں کو انہوں نے عطیات دیئے ان کے  
 یہ ہیں - : ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہندوستان) پنجاب یونیورسٹی لاہور - مدرسہ  
 پنج پیر صوابی تحصیل ضلع مردان - کچھ رقم انہوں نے جامعہ کراچی کو بھی  
 دی جس سے ایم - اے عربی میں ہر سال اول آنے والے امیدوار کو ایک طلائی  
 تمغہ دیا جاتا ہے جو انکے نام سے موسوم ہے - علی گڑھ میں چوبیس سالہ قیام  
 انکا سنہری دور تھا - اسی زمانہ میں انہوں نے زیادہ سے زیادہ تحقیقی کام بھی  
 کیا - تقریباً تیس کتابوں کے مصنف یا مؤلف تھے جو مصر سے شائع ہوئیں - ابا  
 حضور نے نوے سال اس دارفانی میں گزارے - حالانکہ وہ اپنی طبعی عمر کو  
 پہنچ چکے تھے لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک علم و ادب خصوصاً عربی زبان  
 کی خدمت کسی نہ کسی صورت میں کرتے رہے جب تک کہ قوائے جسمانی نے  
 بالکل جواب نہ دیدیا - وہ ۲۷ اکتوبر بروز جمعہ ۱۹۷۸ء کو اپنے خالق حقیقی  
 سے جا ملے اور انہیں بعد نماز جمعہ ہی - ای - سی - ایچ سوسائٹی کراچی کے



قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ گو وہ آج ہمارے درسیان موجود نہیں لیکن انکا علمی اور ادبی کام اور دنیا پھر میں انکے بکھرے ہوئے شاگرد انکی خدمات کے تسلسل کو قائم رکھینگے اور عربی علم و ادب کی دنیا میں انہیں کبھی فراموشی نہ ہونے دینگے۔

